اولاد اور والدین کے باہمی حقوق

از ڈاکٹر احمد عمر ہاشم صاحب

(۲)

(پہلی قسط ترجمان القرآن ماہ اپریل ۱۹۷۸ء میں چھپ چکی ہے۔ یہ دوسری اور آخری قسط ہے)۔

والدین کو اولاد کے ساتھ مساوی سلوک کرنا چاہیے۔ لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کے حقوق بھی پورے کرنے چاہییں۔ وراثت میں لڑکیوں کو وہ حصہ دیا جائے جو اسلام نے اُن کے لیے مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے)۔

عام معاملات میں اولاد کے ساتھ مساوی سلوک کی جو تاکید اسلام کرتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے:

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد بشیر نے مجھے اپنے مال میں سے کچھ عطیہ دیا۔ میری ماں عمرۃ بنت رواحہ کہنے لگیں: "میں اس عطیہ پر اُس وقت تک راضی نہ ہوں گی جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ کر لیا جائے۔" میرے والد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ میں نے اپنے لڑکے نعمان کو یہ عطیہ دیا ہے۔ میرے والد نے آپؐ سے درخواست کی۔ آپؐ اس عطیہ کے گواہ رہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "کیا نعمان کے اور بھی بھائی ہیں"۔ میرے والد نے جواب دیا: ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا اُن میں سے ہر ایک کو اتنا عطیہ دیا ہے"؟ میرے والد نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر یہ بات درست نہیں ہے۔ اس عطیہ کو واپس لو۔ میں صرف حق بات کا گواہ بن سکتا ہوں۔ مجھے ظلم پر گواہ مت بناؤ۔ میرے سوا کسی اور سے

ایسی گواہی لو، اللہ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے ساتھ عدل کرو، تیری اولاد کا یہ تجھ پر حق ہے کہ تو اُن کے مابین عدل و انصاف سے کام لے۔ جیسا کہ اُن کا فرض ہے کہ وہ تیرے ساتھ مساوی حُسنِ سلوک کریں۔ کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ وہ تیرے ساتھ مساوی حُسنِ سلوک کریں"؟ اس نے جواب دیا: "بے شک"۔ آپؐ نے فرمایا: "تو پھر عطیات میں ناانصافی نہیں چل سکتی"۔ آپؐ نے حکم دیا کہ یہ عطیہ واپس لیا جائے (بخاری اور دوسری احادیث میں یہ روایت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مروی ہے)۔

دوسری طرف اسلام اولاد کو بھی یہ تعلیم دیتا ہے کہ والدین سے حُسنِ سلوک کریں۔ اور اُن کے مرتبے اور مقام کا لحاظ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احساناً۔ اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریماً و اخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔	تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اُس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو۔ انہیں جھڑک کر جواب نہ دو۔ بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ اُن کے سامنے جھک کر رہو اور دُعا کرو کہ اے پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

ماں چونکہ بچے کی پیدائش اور تربیت میں نسبتاً زیادہ تکالیف اُٹھاتی ہے اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی خدمت اور دیکھ بھال کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ یہ روایت سب لوگ جانتے ہیں کہ الجنۃ تحت اقدام الامھات (جنت ماں کے پاؤں کے نیچے ہے)۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور اس نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ، من احق الناس بحسن صحابتی (اے اللہ کے رسول، میری حُسنِ معاشرت کا کون انسان سب سے زیادہ مستحق ہے)۔ آپؐ نے فرمایا: "تیری ماں"۔ اُس نے دریافت کیا: پھر؟

آپؐ نے فرمایا: "تیری ماں"۔ اُس نے پوچھا، پھر؟ آپؐ نے فرمایا: "تیری ماں"۔ چوتھی مرتبہ اُس نے یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: "تیرا باپ"۔

نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "خاک آلود ہو اُس کی ناک، خاک آلود ہو اُس کی ناک، خاک آلود ہو اُس کی ناک جس نے اپنے والدین کو یا دونوں میں سے کسی کو بڑھاپے میں پایا اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہوا"۔ ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین موجود ہیں؟ اُس نے کہا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: ففیھما فجاھد (انہی کی خدمت میں رہ کر جہاد کرو)۔ ایک اور آدمی نے آپؐ سے عرض کیا: کیا والدین کی موت کے بعد بھی کوئی نیکی ہے جو میں اُن کے حق میں کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں، اُن کے حق میں دُعا کرنا، اُن کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرنا، اور اُن کے بعد اُن سے کیے ہوئے عہد کو نافذ کرنا، اور اُن کے ذریعے جو صلہ رحمی کی جاتی تھی وہ صلہ رحمی کرنا، اور اُن کے دوستوں کی عزّت افزائی کرنا"۔

موجودہ دَور میں بیٹے اپنے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک اور وسعتِ ظرف سے پیش نہیں آتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت نہیں کرتے۔ چنانچہ اُن کے درمیان روحانی اقدار کے بجائے مادّی اقدار کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ اور بیٹے کے لیے دولت دُنیا اس قدر عزیز ہوجاتی ہے کہ وہ بسا اوقات والدین کے حقوق پامال کرجاتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بالکل مختلف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنے والد کے بارے میں آکر یہ جھگڑا کرنے لگا کہ میرے والد کے ذمے میرا قرض ہے مگر وہ اُس کو ادا نہیں کر رہا ہے۔ آپؐ نے اُسے نصیحت فرمائی کہ اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ (تُو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی مِلک ہیں)۔ اس نصیحت میں آپؐ نے اس آدمی کو فوراً اُس کا یہ مقام یاد دلا دیا کہ تُو جس انسان کے بارے میں قرض نہ دینے کی شکایت کر رہا ہے وہ عام انسان نہیں ہے۔ وہ تیرا باپ ہے۔ اُس نے تمھیں پالا پوسا اور تمھیں اس قابل بنایا کہ زندگی کے کارزار میں اپنے لیے راستے ہموار کرو... اس لیے تمہارا مال جس کی ملکیت کا تم دعویٰ کر رہے ہو بالواسطہ تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔ تم اپنے باپ کا ایک جزو ہو اور بالتبع تمہاری ہر چیز تمہارے باپ کی زیر تصرف ہے۔

ایک اور روایت کے اندر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید واضح فرما دیا کہ اولاد کو اپنے والدین کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں مروی ہے کہ ایک آدمی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہنے لگا: میرے پاس کچھ مال ہے اور میرا باپ میرے مال کا بڑا حاجت مند ہے۔ میں کیا کروں۔ آپؐ نے فرمایا: انت ومالك لوالدك (تو اور تیرا مال دونوں والد کے لیے ہو)۔ آپؐ نے اُسے یہ تلقین کرنے کے بعد والدین کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ: ان اولادکم من اطیب کسبکم۔ کلوا من کسب اولادکم۔ (تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے۔ تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ)۔

یہ تو عام معاملات اور لین دین کی بات تھی۔ لیکن جس طرح باپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اولاد کی صحیح تربیت کرے۔ اُسے دین کا رسیا اور اخلاق کا کھرا انسان بنائے۔ اسی طرح بالغ اور باشعور اولاد پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر اُس کے والدین دین میں کمزور ہوں تو وہ انہیں دین کا پابند ہونے کی نصیحت کرے۔ اور خوش اسلوبی اور نرم گفتاری سے انہیں دین کی طرف راغب کرے، اور دین کا کام کرنے والوں سے انہیں تعاون کا مشورہ دے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کو آخر وقت تک ایمان کی دعوت دیتے رہے۔ چنانچہ وہ گھرانہ بڑا خوش قسمت اور گہوارہ سعادت ہوتا ہے جہاں والدین بھی دین کے پابند ہوں اور اولاد بھی ان کے نقشِ قدم پر چل رہی ہو۔ لیکن اگر دونوں میں اختلاف ہو تو گھریلو زندگی سکون سے ناآشنا ہو جاتی ہے۔ اگر والدین دین کی اتباع نہ کریں تو پھر اولاد کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ دُنیا کے معاملات میں اولاد معروف طریقے سے والدین کا ساتھ دیتی رہے۔ مگر اُن کی کسی ایسی بات کو قبول کرنے سے صاف معذرت کر دے جو خدا و رسولؐ کے احکام کے خلاف اور دین کے بنیادی تقاضوں کے منافی ہو۔